حقیقتِ تصوّف

پروفیسر طیّب شاہین لودھی صاحب

(۲)

تصوّف یا تزکیۂ نفس

بہر حال حقیقی تصوّف محض صوف کا لباس پہننے، غیر ضروری جسمانی تعذیب، نفس کشی، ترکِ دنیا، ترکِ طیّبات اور رہبانیت کا نام نہیں بلکہ بقول شیخ الاسلام ابو اسماعیل عبداللہ انصاری ہروی تمام اربابِ تزکیۂ نفس اس پر متفق ہیں کہ تصوّف خلق اور تہذیبِ نفس ہی کا نام ہے۔ اس بارے میں تمام اصحابِ تصوّف کی بات کا مفہوم ایک ہے یعنی بھلائی عام کرنا اور اذیت رسانی سے باز رہنا۔ بھلائی کو عام کرکے اور اذیت رسانی سے باز رہ کر ہی تصوّف کا ادراک ممکن ہے۔ تصوّف اور سلوکِ حقیقی دراصل تزکیۂ نفس ہی کا دوسرا نام ہے۔ تہذیب و تزکیہ کے بعد ہی نفس میں یہ استعداد پیدا ہوسکتی ہے کہ وہ اپنے رفیقِ اعلیٰ اور محبوب کی صحبت اختیار کرسکے۔ تزکیۂ نفس دراصل جمعیتِ قلبی کی تیاری ہے تاکہ بندۂ مومن ہر ماسوا کو اپنے قلب سے نکال کر اللہ تعالیٰ کے حضور حاضر رہے۔ ہر چیز سے بے خبر ہو کر صرف حق تعالیٰ میں مشغول ہو جائے۔ قلب اللہ تعالیٰ کی عبودیت اور اس کے اسماء و صفات کے شہود میں مرتکز ہو جائے یہی وہ مقام ہے جسے "احسان" کہا گیا ہے۔ تصوّفِ حقیقی یا سلوکِ محمدی اسی مقام پہ پہنچنے کا نام ہے۔ یہی حاصلِ عبودیت ہے، انبیائے کرام کے تزکیۂ نفس کا تمام تر مقصد یہی ہے کہ بندے کو یہ مقام "احسان" حاصل ہو جائے۔ سلوکِ محمدی میں سالک بتدریج مقامِ "اسلام" سے مقامِ "ایمان" میں اور مقامِ "ایمان" سے مقامِ "احسان" میں منتقل ہوتا ہے۔

۱؎ مدارج السالکین ۲ : ۳۱۶

سلوک اور سالک ہر عقیدہ کے اصحابِ تصوّف نے روحانی مدارج طے کرنے کو کسی سیر و سفر سے تشبیہ دی ہے۔ بندے میں جب حقیقت کی طلب بیدار ہوتی ہے تو وہ اس کی تلاش میں نکل کھڑا ہوتا ہے۔ اور منزل بہ منزل قیام کرتا ہوا اپنے مطلوب تک پہنچنے کی کوشش کرتا ہے۔ اصحابِ تصوّف کی اصطلاح میں اس سفر کو "سلوک" اور اس راہ کے مسافر کو سالک کہا جاتا ہے۔ بندۂ مومن کا مطلوب مقامِ احسان ہے۔

مقامات و منازلِ سلوک بندۂ مومن جب مقام "احسان" تک پہنچنے کا ارادہ کر لیتا ہے تو اسے مقامِ اسلام اور مقامِ احسان کے درمیان ایک طویل راستہ طے کرنے کے لیے بہت سے مقامات پہ قیام کرنا پڑتا ہے اور بہت سی خطرناک گھاٹیوں کو عبور کرنا پڑتا ہے۔ سب سے بڑی اور سب سے خطرناک گھاٹی نفس ہے۔ اربابِ تصوف مندرجہ ذیل الفاظ میں نفس کی تعریف کرتے ہیں۔

"نفس سے مراد بندے کے معلول اوصاف اور مذموم اخلاق و افعال ہیں، خواہ یہ اکتسابی ہوں یا طبعی۔" [۱]

صوفیہ خواہ اہلِ حق ہو یا فلسفہ زدہ اہلِ باطل اُن کے ہاں یہ امر متفق علیہ ہے کہ نفس اللہ تعالیٰ اور بندے کے درمیان حجاب ہے اور اس حجاب کو قطع کیے بغیر بندہ اللہ تعالیٰ تک رسائی حاصل نہیں کر سکتا۔ سالک کو اپنے مطلوب تک پہنچنے کے لیے نفس کی چوٹی کو بھی سر کرنا پڑتا ہے۔ اگر اللہ تعالیٰ کی توفیق شاملِ حال ہو تو سالک مختلف مقامات و احوال سے ہوتا ہوا شیطان اور نفس کی کھڑی کی ہوئی رکاوٹیں دُور کرتا ہوا بالآخر اپنے مطلوب و مقصود تک پہنچ جاتا ہے۔ اہلِ حق کے نزدیک اس راہِ سلوک میں سالک کی منزل احسان ہے۔

ابن الجوزیؒ کے مطابق احوال و مقامات کی ترتیب اور ان پر کلام کرنے والے اوّلین شخص ذوالنون مصری ہیں۔ مشہور مستشرق ایڈورڈ براؤن بھی اس کی تائید کرتے ہیں۔ [۲]

احوال و مقامات میں فرق "حال" ان کیفیات و واردات کا نام ہے جو بغیر کسی قصد و ارادے

---

[۱] الرسالۃ القشیریۃ ص ۴۸   مدارج السالکین ۲ : ۶
[۲] تلبیسِ ابلیس ص ۲۳۲   تاریخ ادبیات ایران ۱ : ۲۹۸

اور بغیر کسی اکتساب کے سالک کے قلب پہ ہجوم کر آتی ہیں۔ "مقام" اکتساب کے ذریعے حاصل کیا جاتا ہے۔ ارباب سلوک کے نزدیک احوال مواہب کے زمرے میں آتے ہیں اور مقام امور کسبیہ میں شمار ہوتے ہیں۔

بعض اصحاب تصوف کے نزدیک حال نتیجہ مقام ہوتا ہے اور مقامات اعمال کے نتیجے میں حاصل ہوتے ہیں، ہر وہ شخص جو اعمال کے لحاظ سے صالح تر ہے وہ اعلیٰ تر مقام پہ فائز ہے، جو اعلیٰ تر مقام پر فائز ہے اسی کا حال عظیم تر ہے۔ شیخ ابوبکر محمد الکلاباذی فرماتے ہیں۔

"صوفیہ کرام کے علوم درحقیقت علوم احوال ہیں، احوال اعمال کا نتیجہ ہیں۔ احوال کا وارث صرف وہی ہوتا ہے، جس کے اعمال صحیح ہوتے ہیں۔"[1]

سید علی ہجویریؒ لکھتے ہیں۔

"مقام و حال میں فرق یہ ہے کہ مقام کا تعلق مجاہدے سے ہے اور مجاہدے سے حاصل ہوتا ہے یعنی یہ ایک کسبی شے ہے اس کے برعکس حال خدا کی عطا کردہ چیز ہے، یہ اس کے فضل اور لطف و عطیہ سے حاصل ہوتا ہے۔ جب یہ اللہ تعالیٰ کی طرف سے دل پر وارد ہوتا ہے تو اپنے اختیار اور کسب سے اسے علیحدہ نہیں کیا جا سکتا جب یہ رخصت ہونے لگتا ہے تو اسے اختیار اور کسب سے روکا نہیں جا سکتا۔"[2]

مقام و حال کے سلسلے میں ابن قیم رقمطراز ہیں۔

"اس بارے میں صحیح مسلک یہ ہے کہ اعتبار احوال کے لحاظ سے واردات و مقامات کے کئی نام ہیں۔ ابتداء میں ظہور کے وقت یہ واردات لمعاتِ برق کی مانند ہوتی ہیں جیسے بجلی چمکتی ہے تو بعد میں روشنی پھیلتی ہے۔ جب سالک کو یہ واردات پیش آتی ہیں اور وہ ان کو برداشت کر لیتا ہے تو یہ واردات حال بن جاتی ہیں۔ ابتداء میں یہ

---

[1] التعرف لمذہب اہل التصوف ص ۸۶
[2] کشف المحجوب ص ۲۴۲

واردات لمعات کی صورت میں تھیں، دورانِ وسط ان پر احوال کا اطلاق ہوا اور آخر میں مقامات کہلائیں" [1]

مقامات کی ترتیب اور تعداد مقامات کی ترتیب اور تعداد کے بارے میں اصحابِ تصوف میں خاصا اختلاف پایا جاتا ہے۔ تمام اصحابِ تصوف ان مقامات و منازل کی ترتیب اور تعداد اپنے اپنے ذوق و مواجید اور تجربات کے مطابق بیان کرتے ہیں۔ راہِ سلوک کے ان مقامات کی ترتیب یقیناً سالک کی طبع اور استعداد کے مطابق ہوتی ہے۔ لہٰذا اکثر اصحابِ تصوف مقامات کی ترتیب کے سلسلے میں کوئی خاص کلیہ بیان نہیں کرتے۔ ائمہ تصوف ابو سلیمان دارانیؒ، عون بن عبد اللہؒ، سہیل بن عبد اللہ تستریؒ، سیّد الطائفہ جنید بن محمد بغدادیؒ، ابو عثمان سعید بن اسماعیل نیشاپوریؒ اور یحییٰ بن معاذ عام طور پر ان مقامات اور منازل کی ترتیب کے بغیر ہی تزکیۂ نفس اور اعمالِ قلوب وغیرہ کے بارے میں بات کیا کرتے ہیں۔ ان کے مقامات کی تعداد بھی کسی خاص عدد میں محصور نہ تھی۔ ابن قیمؒ کہتے ہیں کہ یہ ترتیب اگرچہ ضروری نہیں تاہم سیرِ حسی کی مناسبت سے مستحسن ضرور ہے۔ اس طرح تصدیقِ تام اور معرفتِ کامل حاصل ہوگی اور ان کو محفوظ رکھنا بھی آسان ہوگا۔

ابتدا میں تمام مقامات پر تکلفاً نازل ہوا جاتا ہے لیکن بتدریج یہ مقامات سالک کے اخلاقِ طبعی کی حیثیت حاصل کر لیتے ہیں۔ احوال کبھی تو اوراد کا ثمرہ ہوتے ہیں، کبھی اعمالِ قلوب اُن کا باعث ہوتے ہیں۔ کسی مقام کا علم رکھنا اور چیز ہے، اس مقام میں نازل ہونا بالکل دوسری چیز ہے۔ کسی مقام کا علم در حقیقت اس کی تعریف، اس کی ظاہری حدود، اس کے مراتب اور اس کے فقہی احکام پر مشتمل ہوتا ہے۔ لیکن اس مقام پر نازل ہونا ایک رُوحانی تجربہ ہے۔ سالک کا کسی مقام پر نزول تب ہوتا ہے جب اس مقام کی معرفتِ کامل اپنے تمام تر تقاضوں کے ساتھ سالک کے قلب میں اُتر کر اُس کے احوال میں ظاہر ہوتی ہے۔

تزکیۂ نفس اعمالِ قلوب اور اعمالِ جوارح کی تصحیح کے بعد ہی حاصل ہوتا ہے۔ ان تمام مقامات کی معرفت اور ان کے تحقق سے اعمالِ جوارح اور اعمالِ قلوب کی تصحیح ہوتی ہے اور یہی دراصل عبودیت

---

[1] مدارج السالکین ۱: ۱۳۵

کی تکمیل ہے۔

مقاماتِ سلوک کے مآخذ

ائمہ طریق نے تقریباً تمام منازل و مقامات قرآن اور سنّت سے اخذ کئے ہیں۔ علامہ ابن قیمؒ نے شیخ ابو اسماعیل ہروی کی کتاب "منازل السائرین" کی شرح کرتے وقت ان مقامات و منازل کے مآخذ و مصادر کا ذکر کیا ہے۔ شرح کرتے ہوئے قرآن مجید کی ان تمام آیات کو نقل کیا ہے جن سے ائمہ طریق استدلال کرتے ہیں۔ ابن قیم نے ان مقامات کی حدود اور ان کے مراتب و مدارج پر سیر حاصل بحث کی ہے۔ یہ وہ حدود اور مراتب ہیں جو اللہ تعالیٰ نے اپنے نبی صلی اللہ علیہ وسلم پر نازل کیے ہیں۔ راہِ سلوک پر سفر کرنے کے لیے ان کی معرفت حاصل کرنا بہت ضروری ہے۔ ان کی کامل معرفت حاصل کیے بغیر منزلِ مقصود پر پہنچنے کا دعویٰ محض جہالت ہے۔ اصحابِ سلوک کے ذکر کردہ بعض مقامات ایسے ہیں جن کا ذکر قرآن یا سنّت میں نہیں آیا۔ ابن قیمؒ اس قسم کے مقامات کو مقام تسلیم نہیں کرتے۔ مثلاً شیخ ابو اسماعیل ہرویؒ نے "منازل السائرین" میں "دہشت" کو منزل و مقام شمار کیا ہے۔ ابن قیمؒ کے مطابق قرآن و سنّت میں "مقام دہشت" کا ذکر کہیں نہیں ہے۔ ائمہ طریق کا کلام بھی دہشت کے ذکر سے خالی ہے۔ بلکہ بسا اوقات "دہشت" تو قواطعِ طریق میں شمار ہوتی ہے۔

کچھ مقامات کے متعلق اصحابِ تصوّف میں اختلاف پایا جاتا ہے کہ آیا وہ مقام ہیں یا ان کو احوال میں شمار کیا جائے گا۔ مثلاً "رضا" کے مقام یا حال ہونے میں عراقیوں اور خراسانیوں میں اختلاف پایا جاتا ہے۔ ابو عبداللہ حارث بن اسد محاسبیؒ اور شیخ علی ہجویری رضا کو حال تسلیم کرتے ہیں۔

مقامات کا ایک دوسرے کے ساتھ تعلق

تمام مقامات کا ایک دوسرے کے ساتھ گہرا تعلق پایا جاتا ہے۔ بعض مقامات ایسے ہیں جن کی تصحیح کیے بغیر دیگر مقامات کی تصحیح ممکن نہیں۔ مثلاً "توبہ" ایک مقام ہے اور وہ تمام مقامات جن کا ذکر اصحابِ تزکیہ نفس کرتے ہیں مقامِ توبہ کے آثار اور اس کی تفاصیل ہیں۔ توبہ کی تصحیح کیے بغیر دیگر مقامات کی تصحیح ممکن نہیں۔ توبہ اور استغفار ہر مقام پر سالک کے ساتھ رہتے ہیں اور زندگی کے آخری لمحات میں بھی وہ ان سے جدا نہیں ہوتے۔ اسی طرح "توحید" اوّلین مقام ہے۔ توحید انبیائے کرام اور رسولوں کی اوّلین دعوت ہے۔ "رضا" کا دار و مدار "صبر"

۱؎ مدارج السالکین ۳ : ۷۵

پر ہے۔ "توبہ" کا مدار "محاسبہ" پر ہے۔ محاسبہ اور صبر کسی مقام پر بھی سالک سے علیحدہ نہیں، ورنہ سالک اپنی راہ کھو بیٹھتا ہے۔ اسی طرح بعض مقامات ایسے بھی ہوتے ہیں جو بعض دیگر مقامات کا مجموعہ ہیں۔ جیسے توبہ مقامِ "محاسبہ" اور مقامِ "خوف" کا مجموعہ ہے۔ "توکل" مقام "تفویض" مقام "استعانت" اور مقام "رضا" کا جامع ہے۔ ان تینوں مقامات کی تصحیح کیے بغیر توکل کا تصور ممکن ہی نہیں۔ مقامِ "خشیت" اللہ تعالیٰ اور اس کے حقِ عبودیت کی معرفت کا نام ہے۔

"منازل السائرین" کی شرح کرتے ہوئے ابن قیمؒ نے ان تمام مقامات کے تعلق کو بھی واضح کیا ہے۔

منازل و مقامات کے مدارج اکثر صوفیہ نے تمام مقامات و منازل کو مختلف مدارج میں تقسیم کیا ہے۔ کسی مقام کی معرفت سالک کے قلب میں جس قدر راسخ ہوگی۔ اسی کے مطابق اس کا اثر اس کے احوال میں ظاہر ہوگا۔ اور سالک اسی رسوخ کے مطابق اس مقام کے مختلف مدارج پر فائز ہوگا۔ بعض صوفیہ نے مقاماتِ سلوک میں سے ہر مقام کو تین درجوں میں تقسیم کیا ہے۔

ان کے نزدیک پہلا درجہ عوام کا ہے۔

دوسرا درجہ خواص کا ہے۔

اور تیسرا درجہ خاص الخاص کا ہے۔

شیخ ابو اسماعیل عبداللہ ہرویؒ نے اپنی کتاب "منازل السائرین" میں ان مدارج کو خاص طور پر ملحوظ رکھا ہے۔ انہوں نے ہر باب میں تین کے عدد کو خصوصی اہمیت دی ہے۔ توضیح اور شیخ ہروی کے اسلوب کے نمونے کے لیے "منازل السائرین" میں سے مقامِ رضا کا ایک اقتباس پیشِ خدمت ہے۔ شیخ ابو اسماعیل فرماتے ہیں۔

رضا کے تین درجے ہیں:۔

پہلا درجہ عوام کا درجہ ہے۔ یعنی اللہ تعالیٰ کے رب ہونے پر راضی ہونا۔ اللہ تعالیٰ کے سوا کسی غیر کی بندگی کو ناپسند کرنا۔ اسلام کا دارومدار اسی پر ہے اور یہی وہ چیز ہے جو شرکِ اکبر سے

نجات دلاتی ہے۔

رضا کی تصحیح تین شرائط کے ذریعے ہوتی ہے۔

بندے کے نزدیک اللہ تعالیٰ ہر چیز سے زیادہ محبوب ہو۔

بندے کے دل میں اللہ تعالیٰ کی عظمت ہر چیز سے زیادہ ہو۔

بندے کے نزدیک اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ اطاعت کا حقدار ہو[1]

رضا کا دوسرا درجہ اللہ تعالیٰ سے راضی ہونا ہے۔ قرآنِ کریم کی آیات اسی پر ناطق ہیں اور یہ ہے اللہ تعالیٰ کی قضا و قدر پر راضی ہونا۔ یہ خواص کے مسلک کی ابتدا ہے[2] اس کی صحت تین شرائط پر مبنی ہے۔

بندے کے نزدیک تمام احوال کا برابر ہونا۔

مخلوق کے ساتھ خصومت کو ترک کرنا۔

سوال و الحاح سے نجات[3]

رضا کا تیسرا درجہ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہونا ہے۔ چنانچہ بندہ اپنی ذات کے لیے کوئی سخط و رضا نہیں دیکھتا۔ اللہ تعالیٰ کی رضا پر راضی ہونا بندے کو ترکِ تحکّم، انقطاعِ اختیار اور اسقاطِ تمییز پر اُبھارتا ہے، خواہ اسے آگ میں کیوں نہ ڈال دیا جائے[4]

شیخ ابواسماعیل ہروی کے عصر میں اور اُن سے پہلے تصوّف کی اکثر تصنیفات میں یہ اسلوب نایاب ہے۔

حفاظتِ احوال احوال کی حفاظت دو طرح سے ہوتی ہے۔

اوّل: سالک اس لحاظ سے اپنے احوال کی حفاظت کرتا ہے کہ مبادا وہ بدل جائیں۔ اس لیے وہ ان میں تملکہ حاصل کرنے کی کوشش کرتا ہے۔ وہ ان تمام امور سے اجتناب کرتا ہے جن کی وجہ سے اس کے احوال میں تغیر آجاتا ہے اور آہستہ آہستہ وہ ان احوال سے محروم ہوجاتا ہے۔

---

[1] مدارج السالکین ۲ : ۱۸۲

[2] ایضاً ۲ : ۱۸۳ [3] ایضاً ۲ : ۲۰۴ [4] ایضاً ۲ : ۲۴۰

دوم :- سالک اس لحاظ سے بھی ان احوال کی حفاظت کرتا ہے کہ جب یہ احوال و کیفیات اس پہ طاری ہوتے ہیں (اور اگر وہ اپنے احوال میں صادق ہے) تو وہ ان احوال کو لوگوں سے پوشیدہ رکھتا ہے - اور حتی الامکان لوگوں پہ اپنی ان کیفیات کو ظاہر نہیں ہونے دیتا - بغیر کسی راجح مصلحت اور حقیقی ضرورت کے اپنے احوال کو ظاہر کرنا حماقت اور عجز پہ دلالت کرتا ہے - اصحابِ صدق تو ہمیشہ اپنے احوال کو چھپاتے رہتے ہیں بلکہ ملامتیہ سلسلہ سے تعلق رکھنے والے اصحابِ سلوک تو واردات سے متضاد احوال کا اظہار کرتے ہیں - لہٰذا احوال میں بہت بڑا فتنہ ہے اور شیطان انسان کا ازلی و ابدی دشمن ہے -

مقامات و احوال کی تجرید اہلِ صدق ہمیشہ اپنے احوال پر کڑی نظر رکھتے ہیں اور احوالِ صحیحہ اور احوالِ باطلہ میں فرق و امتیاز کرتے ہیں - احوالِ باطلہ پہ ذکر اور توجہ الی اللہ کے ذریعے غلبہ پاتے ہیں - نیز ان اسباب کا کھوج لگاتے ہیں جن کی بنا پر ان پہ غیر مطلوب احوال طاری ہوتے - اہلِ صدق لمحہ بھر کے لیے اپنے نفس کے شر سے غافل نہیں ہوتے - اہلِ بصیرت جانتے ہیں کہ اس مقام پر کیسے قدم پھسل جاتے ہیں -

اصحابِ تصوف کے نزدیک مقامات و احوال کی تجرید بہت ضروری ہے یعنی سالک اپنے مقامات اور احوال کی رؤیت اور ملاحظہ سے تجرید کرے - رؤیت و ملاحظہ سے تجرید کے بغیر سالک کے مقامات و احوال کی تصحیح نہیں ہوتی - اسی طرح ان مقامات و احوال کی صحت، ان کی تفرید بھی بہت ضروری ہے - تفرید یہ ہے کہ اس کے تمام افعال صرف اللہ تعالیٰ کے لیے ہوں اور کوئی فعل رؤیتِ نفس یا مخلوق کے دکھاوے کے لیے نہ ہو - یعنی ہر فعل رؤیت کے شائبے سے پاک ہو -

(باقی)